© rasailojaraid.com

when Imam Ibn e Timmia and his disciple Ibn el Qayyam contribution in philosophical ideas.

This artical gives an account of the efforts of muslim philosophers to develope 'ilm ul kalam ' and allied subjects.

فلسفہ یا علوم عقلی، وہ علم ہے جس کے ذریعے قدرت کو سمجھنے اور کائنات کے ساتھ انسانی تعلق کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے ادب میں سب سے پہلے افلاطون نے 'فلسفہ' کا لفظ استعمال کیا جس نے اُسے اپنے استاد سقراط کی جانب منسوب کیا ہے۔ کئی صدیوں تک علم کا تمام میدان فلسفہ کی حدود میں شمار رہوتا تھا لیکن بعد میں فلسفہ اور سائنس کے علوم کی حد بندی شروع ہوئی، آج کل وہ تمام علوم جو تجربات سے ثابت ہیں وہ کسی نہ کسی عنوان کے تحت سائنس میں شمار ہوتے ہیں۔

'فلسفہ' عمومی طور پر ان مضامین کو کہا جاتا ہے جو تجربات کی صورت میں نمایاں نہیں ہیں، تاریخی اعتبار سے فلسفہ کئی شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (۱)

۱۔ مابعد الطبیعیات، ایسے امور جو حقیقت مطلق سے بحث کرتے ہیں۔

۲۔ نیچرل فلسفہ، ایسے امور جن میں معاملات کی نوعیت، زمان ومکان، حرکت اور دیگر طبیعاتی نظریات زیر بحث آتے ہوں، ان کو طبیعیاتی سائنس بھی کہتے ہیں۔

۳۔ علم النفس، ایسے امور جو انسان کے شعور اور تحت الشعور سے اور ان کے متعلق مفروضات پر بحث کرتے ہیں۔

۴۔ علم منطق، اس کو فن استدلال بھی کہا جاتا ہے، لیکن جدید فلسفہ میں تجزیہ اور تحلیل اس کی ترقی یافتہ شکل ہے جس سے اکثر اوقات نئی نئی معلومات سامنے آتی ہیں۔

۵۔ علم الاخلاق، یہ ایک نظریاتی علم ہے، جو انسانی اخلاقیات سے بحث کرتا ہے۔

۶۔ علم سیاسیات وعمرانیات، انسانوں کے معاشرے اور سیاسی گروہوں سے وابستہ رہنے سے جو محرکات اور استدلال پیدا ہوتے ہیں ان کا علم سیاسیات اور عمرانیات کہلاتا ہے۔ ان تمام موضوعات نے قدیم یونانیوں کے جذبہء تجسس کو اُبھارا جن کے ذریعے فلسفہ تقریباً چھ سو سال ق.م میں وجود میں آیا۔

ان میں بڑے بڑے مفکر وفلسفی پیدا ہوئے ان میں سقراط، افلاطون، ارسطو عظیم ترین فلسفی شمار کئے جاتے ہیں، ان کے کام نے بعد کے زمانوں کے عالم، فاضل اور مفکر طبقے کو متاثر کیا۔

تاریخ عالم میں فلسفہ کو چار مشہور ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے: (۲)

۱۔ یونانی دور، جس کے امتیازی ستون افلاطون اور ارسطو ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ جدید یونانی دور، جس میں افلاطونی خیالات کو مشرقی روحانی افکار کے ساتھ ضم کیا گیا۔

۳۔ قرونِ وسطیٰ، جس میں عیسائی مذہبی تصور کے ساتھ عقلی ضروریات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی اس دور میں فلسفہ پر یہودیوں اور عربوں کے خیالات کا اثر ہوا۔

۴۔ جدید دور، جس کی ابتداء یورپ میں تحریک احیاءِ علوم کے بعد ہوئی۔

یونانی اثرات کے تحت نشو ونما پانے والی اسلامی فکر کو ہی 'فلسفہءِ اسلامی' کہا جاتا ہے۔ اسلامی فلسفہ میں یونانی اثرات کے نفوذ کا راستہ حکمائے یونان کی فلسفیانہ تصانیف کے تراجموں سے ہوا۔ ان تراجموں کا آغاز اسلام کی اولین صدی میں ہی ہوگیا تھا جس کی وجہ سے الکندی، الفارابی نے ان علوم کو باقاعدہ منضبط کیا۔ جن کی شہرت تاریخ میں علوم منطق کے ماہر اور فلسفہ پر دسترس رکھنے کی ہے، اسلامی فلسفیوں نے منطق اور فلسفہ کے مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں تحریر کیں۔(۳)

سلطنت اسلامی میں تراجم کے کام کا آغاز:

اسلام کی ابتدائی صدی میں ہی عرب اپنے صحرائی علاقے سے نکل کر پڑوس میں موجود دو بڑی سلطنتوں تک پھیل گئے، انھوں نے شمال میں شام اور فلسطین کے رومی سرحدی علاقے تک اور مشرق میں عراق اور ایران کے وسیع علاقے تک پیش قدمی کرتے ہوئے ان علاقوں کو اپنی سیاسی وجغرافیائی حدود میں شامل کرلیا۔

اقوام عالم میں ایک عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ عربوں نے جنونی انداز میں پیش قدمی کی جن کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن تھا اور وہ جہاں جہاں بھی پہنچے انھوں نے وہاں کے باشندوں کو جبراً اسلام قبول کرنے پر مجبور کردیا جبکہ یہ قطعاً حقائق کے خلاف قائم مفروضہ ہے کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عربوں نے لوگوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر قطعاً مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو ان کے رسم ورواج، قوانین، مذاہب اور ان کی زبان کے استعمال کی مکمل آزادی دی یہی وجہ ہے کہ ان اقوام میں سے بیشتر نے عربوں کے ماتحت رہنے کو ترجیح دی تھی اور عرب حکمران بھی ان اقوام کو کسب ومعاش کے بہتر ذرائع فراہم کرتے رہے۔

بیرونی دنیا سے اسلامی مملکت میں علم کی آمد کی ابتداء اس زمانے میں ہوئی جب شام میں دمشق کو خلافت کا مرکز بنایا گیا جو کہ تقریباً اسی (۸۰) برس تک مسلم سلطنت کا اہم ترین مرکز رہا۔ یہ علاقہ قدیم رومی سلطنت کا حصہ رہا تھا اور جب مسلمانوں نے اس کو دارالحکومت بنایا تو یہاں رومی قوانین مکمل طریقے سے موجود تھے جن کو ضرورتاً تبدیل کیا گیا، لوگوں کو عام آزادی دی گئی کہ وہ یہاں سے جانا چاہیں تو چلے جائیں اور اگر یہاں رہ کر زندگی بسر کرنا چاہیں تو ان کو اپنے مناصب پر کام کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوگی۔ لہٰذا ابتدائی بیس (۲۰) سال تک وہاں جو بھی سرکاری ریکارڈ رکھے جاتے رہے وہ یونانی زبان میں ہی تھے اور یہ کام زیادہ تر عیسائی افسران ہی کررہے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفہ عبدالملک (۶۸۵ء۔۷۰۵ء) نے اس نظام میں تبدیلی کی اور عربوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا مگر اس نئے نظام میں کچھ کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے ابتداء میں کامیابی نہ ہوئی مگر پھر بھی عبدالملک نے سرکاری ریکارڈ محفوظ کرنے کے لئے بھی عربی زبان کے استعمال کو لازمی قرار دیا اور سکوں پر بھی یونانی کی جگہ عربی حروف کندہ کرنے کا حکم دیا۔(۴)

بنواُمیہ کے عہد میں سلطنت میں ایک بڑی تعداد عیسائی عربوں کی آباد تھی جو کہ اپنے عرب مسلم حکمرانوں کے ماتحت مطمئن تھے اور معاشرے میں اہم امور سرانجام دے رہے تھے۔ دمشق جو کہ شام کا دارلحکومت تھا، تہذیبی لحاظ سے کسی حد تک یونانی شہر تھا۔ یہاں پر موجود پرانے سرکاری افسران نے امیر معاویہؓ کی قائم کردہ عرب سلطنت میں بھی کافی عرصے تک خدمات سرانجام دیں جن میں معیشت اور انتظام سے متعلق شعبے اہم رہے۔ لہٰذا یہ وہ وسیلہ نظر آتا ہے کہ جس کے ذریعے دمشق کے مسلمانوں کا تعارف عیسائیوں کے عمومی علوم اور فلسفے سے ہوا اور یہی تعارف آئندہ آنے والی مسلمان نسل کے لئے فلسفیانہ نظریات کی بنیاد بنا۔ اسی طرح یونانی نظریات جو قوانین سے متعلق تھے ابتداء میں مسلم قانون دانوں کے سامنے آئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یونانی فلسفیانہ تعلیمات عرب میں دراصل قوانین کے نظام کے ذریعے ہی منتقل ہوئیں۔(۵)

ان علوم کی عربوں میں آمد کے ابتدائی سُراغ میسوپوٹیمیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر وہاں سے آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں وسیع ہوتے نظر آتے ہیں۔ یونانی اثرات صرف ایک نقطے سے داخل نہیں ہوئے بلکہ کئی علاقوں سے وارد ہوئے اور پھر مملکت میں پھیلے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ ابتداء میں وارد ہونے والے یونانی علوم جو بنوامیہ دور میں آئے ان میں فلسفیانہ نظریات کے شواہد بہت مختصر ملتے ہیں جبکہ اس زمانے میں لوگوں کی زیادہ دلچسپی سائنسی علوم میں رہی۔(۶)

بنواُمیہ کے ماتحت خلافت خالصتاً عرب تھی اور اس دور کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ عرب شاعری رہی جو اپنے پرانے دستور پر صحراء سے متاثر نظر آتی ہے، اس میں قدیم دربار حیرہ اور بنوغسان کا اثر واضح ہے مگر اس میں یونانی تہذیب اور سائنس کا شاعری پر کوئی اثر نظر نہیں آتا۔

بنواُمیہ کے زوال کے بعد بنوعباس سلطنت کے حکمران بنے یہ بھی نسلاً عرب تھے مگر انھوں نے حکومت عجمیوں (خراسانی و ایرانی عناصر) کی مدد سے حاصل کی تھی لہٰذا ان کے انتظامی نظام میں ایران کا اثر غالب آنا شروع ہوا یہاں تک کے ایک زمانے میں ایسے خلیفہ ہوئے جو خود فارسی، عربی دونوں زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ البتہ بنوعباس کے ابتدائی دور میں عربی زبان کا استعمال جاری رکھا گیا تاکہ مذہبی زبان اور عرب کے صحرا نشینوں سے تعلق قائم رہے۔

بنوعباس کے دوسرے خلیفہ المنصور نے نئے دارلحکومت کی بنیاد رکھی جو بغداد تھا۔ اس کے بارے میں روایت ہے کہ المنصور نے دو ماہر علم نجوم سے اس شہر بسانے کیلئے رائے لی تھی جن میں ایک کا نام نوبخت تھا جو ایرانی تھا جبکہ دوسرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماشاءاللہ بن اطہری تھا وہ بھی ایرانی تھا اور مرو کا رہنے والا تھا۔

جب بغداد بس گیا تو وہاں گرد و نواح سے لوگ آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے اور خود المنصور نے اپنے دربار میں مشہور عالم، فاضل لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے بڑے بڑے مفکر، قراء، علم صرف و نحو کے ماہر، محدث آ کر دربار سے منسلک ہو گئے۔ بنو عباس کے مشہور وزراء آل برآمکہ نے مملکت میں علم و فن کی ترقی کے لئے بے حد کام کیا اور علمی سرپرستی میں بلند مقام حاصل کیا۔ برآمکہ کو یونانی سائنس میں گہری دلچسپی تھی، یحییٰ برمکی نے یونانی سائنس کو دوبارہ متعارف کرانے کیلیئے بہت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ ہارون الرشید ۷۸۶ء میں خلیفہ بنا وہ خود ایرانی اثرات سے متاثر تھا اس نے سائنس اور ادب کو پھیلانے میں بہت دلچسپی ظاہر کی اس کے عہد میں اسلامی دنیا واضح طور پر یونانی علوم سے خوب متعارف ہوئی۔(۷)

ہارون الرشید نے اپنے وزراء برآمکہ کی وجہ سے یونانی علوم کے تراجم کے لئے خوب سرپرستی کی جن میں سائنسی علوم بھی شامل تھے بلکہ نمائندے روانہ کر کے یونانی کتب رومی سلطنت سے منگوائیں۔ اس پالیسی کی وجہ سے بغداد میں علوم کا خزانہ جمع ہونے لگا۔ حکومت کی مثال پر یہ عام رواج ہوا کہ معاشرے کے مخیّر طبقے کی دلچسپی کتب اور علوم میں پیدا ہو گئی اور انھوں نے بھی بڑے بڑے اداروں کی سرپرستی کرنی شروع کر دی اس طرح جن علوم سے متعلق مواد حاصل ہوا ان میں طب سے متعلق کتب تھیں جو کہ (آرامی) شامی زبان میں تھیں۔ اسی طرح ارسطو کی کتب کے آرامی زبان میں تراجم بھی حاصل ہوئے جو کہ یونانی زبان سے اس میں منتقل ہو چکے تھے۔ ارسطو کا زیادہ تر کام منطق سے متعلق تھا۔ ہارون الرشید کے دور کے بعد اسلامی مملکت میں ارسطو کے فلسفیانہ کام پر عرب مفکرین کے کام کا آغاز ہوا۔

جو ابتدائی ترجمے یونانی زبان سے کیئے گئے وہ زیادہ تر ریاضی اور علم نجوم کے متعلق رہے، سب سے پہلے ایک ہندی کتاب 'سندھ ہند' جو کہ علم نجوم اور ریاضی سے متعلق تھی یونانی زبان سے ترجمہ کی گئی یہ ترجمہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تھا۔ اس کتاب کا ترجمہ المنصور کے دور کا نہیں بلکہ اس سے پچاس سال بعد کیا گیا تھا۔(۸)

ہارون الرشید کے دور کا لائبریرین ابوسہل الفضل بن نوبخت تھا جس نے کئی کتابوں کے تراجم فارسی زبان میں کیئے جن میں اکثر علم نجوم سے متعلق تھیں۔ یہ شخص اس نوبخت کا بیٹا تھا جس نے المنصور کو بغداد کی تعمیر کیلیئے رائے دی تھی، جبکہ دوسرے شخص ماشاءاللہ بن اطہری نے کئی کتابیں لاطینی زبان میں تحریر کیں جو کہ علم فلکیات سے متعلق تھیں۔ طب سے متعلق جو بھی مواد مملکت میں میسر آیا وہ زیادہ تر شامی زبان میں تھا جو کہ یونانی سے ترجمہ کیا گیا تھا اور ایسا ہی ریاضی، علم نجوم اور علم فلکیات کے مواد کے ساتھ رہا، جو کہ بعد میں شامی (آرامی) زبان سے عربی میں ترجمہ کیئے گئے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام حنین بن اسحاق اور اس کے شاگردوں نے کیا جو 'دارالحکمت' سے متعلق تھے جنھوں نے نہ صرف ترجمے کیئے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے سے موجود تراجم پر نظرِ ثانی کا کام بھی کیا۔

بغداد اس علمی تحریک کا مرکز بن چکا تھا جو یونانی سائنسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے لئے شروع کی گئی تھی۔ خراسان کے مرکزی شہر مرو کا بغداد کی علمی ترقی پر اثر رہا کیونکہ بغداد کے مشہور وزراء جو اس تمام تر علمی سرگرمیوں کے سرپرست تھے، وہ خراسان کے شہر کے ایک خاندان برامکہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو عباس کے عہد میں سلطنت پر ایرانی عناصر غالب آئے اور عرب عنصر پس پشت چلا گیا۔

اس دور کی ایک اہم شخصیت ابو محمد بن المقفع ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا ان کی وجہءِ شہرت دراصل ان کی جانب سے پہلوی زبان (قدیم فارسی) سے کیا جانے والا ترجمہ ہے جو انھوں نے مشہور کتاب 'کلیلہ و دمنہ' کا کیا تھا۔ ابن المقفع کا یہ ترجمہ کلاسیکی عربی کا عمدہ نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس کے علاوہ 'خدائی نامہ' کا بھی فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا جس کا نام 'سیر الملوک عجم' رکھا گیا جو دراصل فارس کے شاہوں کی آپ بیتی پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ ترجمہ تو اب موجود نہیں رہا مگر یہ فردوسی کے 'شاہنامہ' اور ابن قتیبہ کے 'عیون الاخبار' کی بنیاد بنا۔

مرو ابتدائی تراجم کے بغداد آنے کا راستہ بنا کیونکہ یہاں سے علم فلکیات اور ریاضی سے متعلق بیشتر کام بغداد پہنچا بعد ازاں تمام کام فارسی سے عربی میں منتقل کر دیا گیا۔ سب سے ابتدائی معلومات جو ارسطو کے کام سے متعلق عربوں تک پہنچیں وہ شامی (آرامی) زبان سے حاصل ہوئیں جو زیادہ تر علمِ منطق سے متعلق کتب کے تراجم تھے، تراجم کے علاوہ ان کی تشریحات اور توضیحات پر مشتمل مواد حاصل ہوا تھا۔

طب پر مشتمل کتب کے تراجم کا کام قدرے دیر سے شروع ہوا، اس کا سہرا مامون کے سرکاری طبیب جبرائیل ثانی کے سر ہے یہ تراجم بھی (آرامی) شامی زبان سے عربی میں منتقل ہوئے۔ سائنسی علوم کی سرپرستی ہارون الرشید کے زمانے کا ایک نمایاں وصف بن گئی تھی جس کی وجہ سے بڑے بڑے وزراء و امراء اس میدان میں کود پڑے اور بڑی بڑی علمی اکادمیاں قائم کی گئیں۔

اتفاق سے دربار سے باہر کا ماحول سائنسی علوم کے بجائے دینی علوم کی سرپرستی کیلئے سازگار رہا جس کی وجہ یہ رہی کہ عام عرب کی دلچسپی زیادہ تر قرآن، فقہ اور صرف و نحو کے علوم کے فروغ میں رہی، مگر فلسفیانہ پہلو پر ہارون الرشید کے دورِ اختتام تک کوئی خاص کام نہ ہوا بلکہ محض ارسطو کے علمِ منطق میں ہی دلچسپی لی گئی۔ مامون الرشید کے ۸۱۳ء میں خلیفہ بن جانے کے بعد فلسفہ کی جانب توجہ مبذول ہوئی اور باقاعدہ فلسفہ کے اُصولوں کو مسلمانوں میں منتقل کرنے کا کام کیا جانے لگا کیونکہ مامون خود آزاد خیال خلیفہ تھا اور فلسفہ میں گہری دلچسپی رکھتا تھا۔

مامون کے دور کے مترجمین میں سب سے نمایاں نام 'حنین بن اسحاق' کا ہے جس نے یونانی سائنسی علوم کو عربی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں منتقل کیا۔ مامون نے 'دارالحکمت' کے ادارے میں جوکہ یونانی سائنسی علوم کے تراجم کیلئے تشکیل دیا گیا تھا۔ حنین بن اسحاق کو سربراہ مقرر کیا لہٰذا اب تراجم کا کام تواتر اور ترتیب سے ہونے لگا جبکہ ساتھ ہی حنین بن اسحاق نے شاگردوں کی ایسی جماعت بھی تیار کی جو اس کے کام کو آگے بڑھا سکتی تھی۔

تراجم کا یہ کام دوطرفہ تھا اس میں ترجمہ عربی زبان کے ساتھ ساتھ (آرامی) شامی زبان میں بھی کیا جاتا تھا، ساتھ ہی قدیم غیر معیاری تراجم کی اصلاح اور بہتر معیار کو قائم کرنے کا سلسلہ بھی جاری کیا گیا تھا۔ حنین بن اسحاق نے آرامی زبان میں (۲۰) کتب ترجمہ کیں جبکہ (۱۴) کتب عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، اس کے علاوہ بے شمار شاگردوں کو ترجمہ کی تربیت وتعلیم دے کر ایک بہترین جماعت 'دارالحکمت' کومہیا کی۔ حنین بن اسحاق کی زندگی کے بارے میں معلومات اس کی آپ بیتی 'رسالہ حنین بن اسحاق' سے ملتی ہیں جو علی بن یحیٰی کے لئے ۸۶۵ء میں لکھی گئی تھی۔

خلیفہ معتصم اور واثق کے زمانے میں دارالحکمت کی کارکردگی متاثر ہوگئی، اور مملکت کے حالات کا اثر اس ادارے پر بھی پڑا مگر پھر المتوکل کے عہد میں خلیفہ کی دلچسپی اور سرپرستی کا دوبارہ آغاز ہوا جس سے مامون کے بعد رک جانے والا کام پھر شروع کیا گیا۔ اس ادارے کا بہترین کام المتوکل کے زمانے سے ہی تعلق رکھتا ہے، جب حنین بن اسحاق اور اس کے شاگردوں نے بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ حنین کے بعد اس کے بیٹے 'اسحاق بن حنین' نے بھی اس کے کام کو آگے بڑھایا، تراجم کا یہ سلسلہ ایشیائی علاقوں میں خوب پھیلا۔ (۹)

تراجم کا آخری دور اُندلس سے متعلق ہے جہاں مسلمان بنواُمیہ کے ماتحت ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا دور اُندلس کی تاریخ کا سنہری دور ہے اور یہی دور علمی وثقافتی ترقی کی بھی اہم مثال بنا۔ بنواُمیہ اندلس کے تعلقات رومی سلطنت سے بہت بہتر رہے تھے جس کی وجہ سے یونانی علوم کی اندلس میں آمد کا ذریعہ سرکاری سرپرستی ہی بنی اور بعد میں یہ یونانی علوم عربی زبان میں منتقل کئے گئے۔ اندلس میں تراجم کا دور بھی اسلامی علمی تاریخ میں اہم اثاثہ ہے جو اسلامی فکر کی بنیاد رکھنے میں معاون رہا۔

بصرہ اور کوفہ مراکزِ علم وفن

بصرہ کی بنیاد عتبہ بن ازوان نے ۶۳۵ء یا ۶۳۷ء میں رکھی تھی، جبکہ کوفہ کی بنیاد سعد بن ابی وقاص نے کچھ عرصے بعد رکھی۔ ان دونوں شہروں نے اسلامی تاریخ میں نہایت اہم مقام حاصل کیا ہے۔ جب بنواُمیہ دورِ حکومت کا آغاز ہوا تو اسلامی سلطنت کا مرکز مدینہ اور مکہ کے پرانے شہروں سے شام کے علاقے میں منتقل ہوگیا۔ بنواُمیہ کے حکمرانوں کا رجحان مذہبی معاملات میں آزادی پسندانہ رہا جس کی وجہ سے مدینہ اور مکہ جیسے مذہبی مراکز سے جوکہ پہلے سیاسی کردار بھی ادا کررہے تھے بیشتر افراد دوسرے علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہوگئے۔ جن میں زیادہ تر لوگ عراق میں نوتعمیر شدہ شہروں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانب چلے گئے لٰہذا بعد میں یہی شہر روایت پسندی (orthodoxy) کے حوالے سے تاریخ میں اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں، یہیں سے حکومتِ وقت کو وقتاً فوقتاً مزاحمت کا سامنا بھی رہا۔

بصرہ اور کوفہ کے شہر علمی تحریک کے ابتدائی مراکز بنے جہاں پر علم کے مذہبی پہلوؤں سے ابتداء ہوئی جن میں بنیادی حیثیت لازماً قرآن کی تعلیمات کو حاصل رہی اور اس ہی بنا پر تمام تر علمی تحریک کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے قرآنی مسودے پر توجہ دی گئی لٰہذا زبان کے علوم گرائمر اور علم صرف ونحو کا رواج عام ہوا اور پھر یہی رجحان فقہ وحدیث آگے بڑھتے ہوئے فلسفہ کی جانب ہوا، فلسفہ کا زیادہ تر رجحان یونانی علوم کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔

بصرہ میں گرائمر اور تعلیمی تحریک کا آغاز 'ابوالاسود الدولی' سے ہوتا ہے، جو کہ حضرت علیؓ کے ساتھی تھے۔ گرائمر سے لوگوں کی دلچسپی اس لئے پیدا ہوئی کہ عراق کے لوگوں نے عربی کو نیا اختیار کیا تھا عموماً جب وہ مسلمان ہوئے تو قرآن کو پڑھنے اور جاننے کیلئے عربی زبان کو جاننا ضروری ہوگیا، لٰہذا قرآن کے صحیح معنیٰ سمجھنے کے لئے لوگوں نے زبان کے قواعد وضوابط میں دلچسپی لی جس کی وجہ سے بصرہ علمِ صرف ونحو کا اہم مرکز بن گیا اور یہاں باقاعدہ ابوالاسود نے عربی زبان کے قواعد وضوابط بیان کئے تاکہ لوگوں کی رہنمائی کی جاسکے۔ ابوالاسود کے بعد ایک باقاعدہ جماعت بصرہ میں وجود میں آگئی جس نے لوگوں کو اس ضمن میں تعلیم دینے کی ابتداء کی۔

تقریباً ایک صدی بعد اسی طرح علمِ صرف ونحو سے متعلق علمی تحریک کا آغاز کوفہ میں بھی ہوگیا۔ جس کی ابتداء 'ابومسلم معید بن مسلمؒ' نے کی جو کہ خلیفہ عبدالملک کے بیٹوں کے اتالیق بھی رہ چکے تھے۔ اس طرح اب یہ دو مراکز وجود میں آگئے جو کہ دو مختلف مکتبہءفکر رکھتے تھے جو نظریاتی لحاظ سے تو ایک تھے مگر ان نظریات کے عمل سے متعلق طریقے مختلف اختیار کرتے تھے۔

مثلاً بصرہ کا مکتبہءفکر ایسی شاعری جو کہ تحریر نہ ہو اس کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے اور اگر وہ قواعد پر پوری نہیں اترتی تو اس کو رد کر دیتے تھے جبکہ کوفہ کا مکتبہءفکر ایسی شاعری کو تسلیم کرتا تھا چاہے اس کا مواد کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، کیونکہ کوفی مکتبہءفکر کے ماہرینِ صرف ونحو نے ایسے قواعد وضوابط کو بھی قائم کیا تھا جو عام بول چال کی زبان پر بھی لاگو کئے جاسکیں۔ (۱۰)

بصرہ کے مکتبہءفکر سے بڑے ماہر علوم پیدا ہوئے جن میں ابوالحسن، عمرو بن عثمان الحارثی جو کہ (الصوابہ) بھی کہلاتے ہیں وغیرہ، بصرہ ہی وہ مرکز ہے جہاں سے معتزلہ تحریک کے ابتدائی نشانات ملتے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس زمانے میں یونانی فلسفے کے اثرات یہاں تک پہنچ چکے تھے اور عرب روایات وعقائد کا حصہ بنے لگے تھے۔ عراق میں بصرہ ہی وہ علاقہ رہا جہاں سے اسلامی مملکت میں فقہی تحریک کی ابتداء کے بھی آثار ملتے ہیں۔ علمی تہذیب کے ان دو بنیادی مراکز بصرہ اور کوفہ میں نہ صرف عرب بلکہ ایرانی، مسلم، عیسائی، یہودی اور مجوسی سب اس علمی کاروائیوں میں شریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے جس نے سلطنت کی تہذیبی بنیادیں کھڑی کرنے میں مدد دی۔(۱۱)

اس طرح بصرہ وہ علمی مرکز بنا جہاں سے اسلامی مملکت میں علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا جس کو یونانی اور ایرانی وعرب تین بڑی تہذیبوں نے متاثر کرنا شروع کیا جو بعد میں عظیم اسلامی سلطنت کی تہذیبی بنیادیں بنیں۔

مکتبۂ فکر کا ارتقاء

خلافت راشدہ کے بعد خلافتی شعور میں کشورستانی بھی شامل ہوگیا تو مسلمانوں کا سیاسی، سماجی اور معاشرتی نظام بھی بہت کچھ بدل گیا اس لحاظ سے عباسی عہد بہت اہم رہا تھا۔ وہ اسلام کی ازلی سادگی اور مساوات میں امارت وتعیش کی رنگ آمیزی کے علاوہ اپنی مرضی اور رائے کو بھی شامل کرنے لگے انہوں نے ایک جانب ایرانی اور یونانی فلسفوں کو عربی زبان میں منتقل کرایا، دوسری جانب مغربی قوموں سے تہذیبی اور ثقافتی رشتے استوار کیئے اس دوراہے پر اثبات ویقین کا باقی رہ جانا دشوار تھا لہٰذا عمل ورد عمل کے طور پر سینکڑوں مسئلے پیدا ہو گئے۔

اس فکری اور ذہنی آویزش نے (ابومسلم، ابوبکر اور ابوالقاسم بلخی) اور دیگر متعدد علماء کو آگے بڑھایا انہوں نے مغربی خیالات وافکار کے بطلان کے لئے قرآن کی تفسیروں کے علاوہ مستقل طور پر کئی تصانیف پیش کیں اور ایک جدید علمِ الکلام سے آشنا کیا۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کے نزدیک علمِ الکلام کی دو جداگانہ اقسام ہیں، علم الکلام اگرچہ ایک عرصے سے ایک مخلوط مجموعہء مسائل کا نام ہے، لیکن درحقیقت اس کی دو جداگانہ قسمیں ہیں اور دونوں کے مقاصد بالکل جدُا ہیں۔

۱۔ ایک علمِ الکلام وہ ہے جو خاص اسلامی فرقوں کے باہمی جھگڑوں سے پیدا ہوا، یہ ایک مدت تک بڑی وسعت کے ساتھ پھیلتا گیا۔ اس میں قلم کے ساتھ ساتھ تلوار سے بھی کام لیا گیا اور اسلام کی ملکی طاقت کو اس سے نقصان پہنچا۔

۲۔ دوسرا علمِ الکلام وہ تھا جو فلسفہ کے مقابلہ کے لئے ایجاد ہوا۔ امام الغزالی کے زمانے تک دونوں جدُا رہے۔ امام غزالی نے اختلاط کی بنیاد ڈالی، امام رازی نے ترقی دی اور متاخرین نے اس کو فلسفہء کلام، اصول عقائد سب کو ملا جلا کر پیش کر دیا۔(۱۲)

آغاز اختلافِ عقائد کی وجوہات

۱۔ جب اسلامی مملکت کو زیادہ وسعت ہوئی اور ایرانی، یونانی، قبطی وغیرہ اقوام اسلام کے حلقہ میں آئیں تو عقائد کے متعلق نکتہ آفرینیاں شروع ہو گئیں کیونکہ ان اقوام کا مزاج نکتہ چینی کا تھا۔

۲۔ جب دیگر اقوام اسلام لائیں تو ان کے قدیم مذاہب کے مسائل عقائد مثلاً صفات خدا، قضاء وقدر، جزاء وسزا کے متعلق خاص خیالات تھے، ان میں جو خیالات اعلانیہ عقائد اسلام کے خلاف تھے وہ تو دلوں سے جاتے رہے لیکن جہاں اسلامی عقائد کے کئی پہلو ہو سکتے تھے اور ان میں سے کوئی پہلو بھی ان قدیم عقائد سے ملتا جلتا تھا وہاں بالطبع وہ اُسی پہلو کی جانب مائل ہو سکتے تھے لہٰذا مثلاً جب خدا کو مجسم شخص کے پیرائے میں تسلیم کرنے والے یہودیوں نے اسلام قبول کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توان کا میلان ان آیات کی جانب ہوا جن میں خدا کی نسبت ہاتھ، منہ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے تھے۔

۳۔ بعض مسائل جن کی دو وجہیں تھیں جب ان کے متعلق رائے قائم کی جاتیں تو آراء میں اختلاف ہو جاتا مثلاً جبر وقدر کا مسئلہ کہ جب اس کا سب سے بڑا سبب طبائع انسانی کی فطرت کا اختلاف تھا۔

۴۔ اختلاف عقائد کا بڑا سبب عقل ونقل کی بحث تھا۔فطرت نے انسانوں میں دو قسم کی طبیعت پیدا کی ہیں، ایک وہ جو ہر بات میں عقل کو دخل دیتے ہیں اور جب تک بات عقل میں نہ آئے مانتے نہیں جبکہ دوسرے وہ ہیں جو بغیر بحث کے جب بات بزرگ سے پہنچے تو سن کر مان لیتے ہیں ان دونوں میلانات کے لوگوں سے کوئی زمانہ خالی نہ رہا ہے۔

۵۔ ایک اور سبب یہ رہا کہ علماء کے طریقہ ء معاشرت کا اختلاف تھا۔محدثین اور فقہاء اپنے ہم مذہبوں کے علاوہ کسی اور مذہب والوں سے نہ ملتے تھے جس کی وجہ سے ان کو بہت باریک نقطے دوسروں کے سامنے واضح نہ کرنے پڑتے اور وہ نکتہ رس بحثوں میں نہیں پڑتے تھے جبکہ متکلمین اور خصوصاً معتزلہ ہر مذہب اور ہر فرقہ کے لوگوں سے ملتے تھے اور مناظرہ ومباحثہ کرتے تھے اسی لئے ان کو الہام واجمال کی گرہ کھولنی پڑتی تھی۔

۶۔ اختلاف عقائد کی بنیاد سیاست سے بھی رکھی گئی:

۱) بنواُمیہ کے زمانے میں چونکہ سختی کا ماحول رکھا گیا تھا تو لوگوں میں شورش پیدا ہوئی، لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تو طرف داران حکومت یہ کہہ کر اس کو خاموش کرادیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے، خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دَم نہیں مارنا چاہیے۔

۲) اس زمانے کے ظلم وجبر کے نتیجے میں امر بالمعروف کا مسئلہ زیادہ عام ہوا اور ایک گروہ کثیر جو بالآخر معتزلہ کے لقب سے پکارا گیا اس نے اس اُصول کو اسلام کے اُصول ِ اولیہ میں داخل کر کے اپنا لیا، یہ گروہ مسلسل ترقی کرتا گیا جب ولید تخت نشین ہوا تو اس فرقہ کا شمار ہزاروں سے زیادہ تھا۔انھوں نے یزید بن ولید کو تخت، دلوانے میں اہم کردار ادا کیا، ولید کے خلاف بغاوت میں معتزلہ میں ایک شخص عمرو بن عبید بھی تھا جو اس فرقہ کا بڑا اہم امام ہے۔ابھی بنواُمیہ کا زمانہ ختم نہ ہوا تھا کہ جبر وقدر مسئلہ کے ساتھ ساتھ معتزلہ کے مسائل بھی عام ہو چکے تھے۔(۱۳)

اسلامی سلطنت میں فلسفیانہ فرقوں کی تعداد

محققین نے تسلیم کیا ہے کہ فرقوں کی تعداد کی یہ کثرت دراصل صحیح نہیں اصل میں وہ صرف چند فرقے رہے ہیں البتہ بعد میں اس ایک ایک فرقے کے بہت سے فرقے بن گئے۔شرح مواقف میں لکھا ہے کہ اسلام کی اصل آٹھ (۸) فرقے ہیں۔

۱۔سنی ۲۔شعیہ ۳۔خارجیہ ۴۔مُرجیہ ۵۔بخاریہ ۶۔معتزلہ ۷۔جبریہ ۸۔مشبہیہ

علامہ مقریزی نے 'تاریخ مصر' میں یہ تعداد گھٹا کر صرف پانچ فرقہ قرار دی ہے۔

۱۔سنی ۲۔شعیہ ۳۔معتزلہ ۴۔خارجیہ ۵۔مُرجیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف کے اُصول

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے اختلاف کے چار اُصول قرار دیئے ہیں:

۱۔ صفات الٰہی کا اثبات ونفی

۲۔ قدر و جبر

۳۔ عقائد واعمال

۴۔ عقل ونقل

یہی اُصول ان فرقوں کے وجود میں آنے کا باعث ہوئے۔ (۱۴)

۱۔ پہلا اختلاف

یہ اس طرح پیدا ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن مجید میں جو الفاظ اس قسم کے مذکور ہیں جو جسمانیات کیلئے مخصوص ہیں مثلاً عرش پر متمکن ہونا، قیامت کے دن فرشتوں کے جھرمٹ میں آنا وغیرہ ان کے حقیقی معنی لئے جائیں یا مجازی؟ اس سوال پر دو مختلف فرقے پیدا ہوئے۔ پہلی شق کو ماننے والوں میں محدثین اور اشعریہ ہیں جبکہ دوسرے معتزلہ ہیں۔

۲۔ دوسرا اختلاف

یہ اختلاف تھا کہ انسان کے افعال کو اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک چیز بھی ہمارے اختیار میں نہیں اور ارادہ تک اختیاری نہیں مگر اس بات کو مان لینے سے ثواب وعذاب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد اُکھڑ جاتی ہے۔ قرآن میں دونوں قسم کی آیات موجود ہیں لہٰذا اسلام میں اس بنا پر دو رائے قائم ہوئیں، جو لوگ آزاد خیال تھے انھوں نے جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے جبکہ دیگر نے کسب وارادے کا پردہ رکھا جو کہ قدریہ کہلائے۔ یہ لفظ بھی ابتداء میں نہیں بلکہ بعد میں ابوالحسن اشعری نے ایجاد کیا تھا۔

۳۔ تیسرا اختلاف

یہ اختلاف اس بنیاد پر تھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں؟ کچھ محدثین کے نزدیک ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں لیکن کچھ نے اس سے اختلاف کیا ہے جن میں امام ابوحنیفہؒ پیشرو تھے اور جو اعتقاد وعمل میں تفریق کرتے ہیں۔ محدثین نے ان لوگوں کا نام مُرجیہ رکھا، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کو بھی بہت سے محدثین مُرجیہ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا اختلاف

یہ حقیقی اختلاف بھی کہا جاسکتا ہے اس اختلاف کا اصل اُصول یہ ہے کہ عقل ونقل میں کس کو ترجیح ہے؟ یا عقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ونقل کی کیا حدود ہیں؟ تمام اشاعرہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں اور معتزلہ عقل کو، اس اصول کی بنیاد پر تفصیلی عقائد قائم ہوئے (۱۵)

بنواُمیہ کے زمانے میں یہ مباحثے اور مناظرے مسلمانوں ہی تک محدود رہے لیکن بنوعباس کے دور میں یہ دائرہ وسیع ہوا اور مجوسی، یہودی، عیسائی وغیرہ اسلامی درسگاہوں میں علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور ان کی واقفیت مسلمانوں کے مذہبی خیالات واعتقادات سے ہوئی اور مذہبی آزادی کی وجہ سے وہ اسلامی عقائد کے بارے میں اظہار خیال کرنے لگے۔

جن خلیفہ منصور نے دنیا کے تمام زبانوں کے علمی ومذہبی کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں توان کو پڑھ کر مسلمانوں میں سینکڑوں لوگوں کے عقیدے متزلزل ہوگئے جس سے لوگوں میں الحاد پھیلنے لگا، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ علمائے اسلام نے جس طرح اس قسم کی ضرورتوں سے نحو، لغت، تفسیر وغیرہ کے فنون مدون وایجاد کئے تھے اسی طرح خود اپنی خواہش سے علمِ الکلام بھی ایجاد کرتے۔ جب خلیفہ مہدی ۱۵۸ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے علماء اسلام کو حکم دیا کہ مذہب اسلام پر جو شبہات کئے جاتے ہیں اس کے جواب کے لئے کتب تصنیف کی جائیں، مگر یہ علم اس زمانے میں علمِ الکلام نہیں کہلایا بلکہ مامون الرشید کے زمانے میں جب معتزلہ نے فلسفہ میں مہارت حاصل کی اور فلسفیانہ مذاق پر اس فن کی تدوین کی تو انھوں نے اس کا نام 'علمِ الکلام' رکھا۔ (۱۶)

اس علم کے نام 'علمِ الکلام' ہونے کی وجہ علامہ شہرستانی نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ یہ علم فلسفہ کہ مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا اس لئے فلسفہ کی ایک شاخ (منطق) کا جو نام تھا وہی اس فن کا بھی رکھا گیا کیونکہ منطق اور الکلام مترادف اور ہم معنی لفظ ہیں۔

یہ علم علماء کی مخالفت کا شکار رہا کیونکہ قرونِ اولی میں اکثر علماء یک فنی تھے آئمہ نحو کو، فقہ سے ناواقفیت تھی۔ فقہاء کو حدیث سے کم سروکار تھا۔ محدثین علومِ عقلیہ سے ناآشنا تھے۔ علمِ الکلام ایجاد ہوا تو اس میں فلسفہ کی کئی اصطلاحات شامل ہوگئیں، محدثین ان اصطلاحات کو سن کر فلسفہ اور کلام میں تفریق نہ کرپائے اور چونکہ یونانی فلسفہ کو پہلے ہی بُرا سمجھتے تھے لہٰذا علمِ الکلام کو بھی اس کا شریک ہی سمجھے۔ (۱۷)

علماء کی جانب سے علمِ الکلام کی مخالفت جاری رہی جب تک کہ آئندہ زمانے میں امام الغزالی اور امام رازی نے اس صورتحال میں تبدیلی پیدا نہ کردی اور یہ مقبول ہوسکا۔ علمِ الکلام ابتداء سے ترقی کرتا رہا تھا لیکن چوتھی صدی ہجری میں درجہء کمال کو پہنچ گیا۔ اب تک علمِ الکلام پر تصنیفات تحریر ہوچکی تھیں لیکن قرآن کی مفصل تفسیر اس اُصول پر نہ لکھی گئی تھی کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ عقل کے موافق ہے اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس ضرورت کو اس صدی کے مشہور عالموں نے پورا کیا یعنی ابومسلم اصفہانی، ابوبکر اصم، ابوالقاسم بلخی وغیرہ۔ ابومسلم جن کا نام محمد بن بحر اصفہانی تھا، نے یہ تفسیر لکھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کہ (۱۴) جلدوں پر مشتمل تھی۔ابو مسلم نے ۲۲۳ھ میں وفات پائی۔

علم الکلام کا دوسرا دور 'اشاعرہ'

دوسرے دور کی ابتداء امام الغزالیؒ سے کی جانی چاہیے کیونکہ ان کے زمانے میں علم الکلام کا طریقہ عقلی ہو گیا، جو کہ ابتداء میں نقلی تھا، چونکہ امام الغزالیؒ نے اس طریقے کی بنیاد امام اشعری کے طریقے پر رکھی تھی اس لئے 'اشاعرہ' کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔

امام اشعری کا نام علی بن اسمٰعیل ہے، وہ ۲۷۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔آپ نے معتزلہ کے عقائد کو چھوڑا اور بغداد جا کر حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔شافعیوں نے ان کی بہت قدر ومنزلت کی اور ہزاروں علماء ان کے شاگرد ہوئے۔ان میں شیخ ابو محمد طبری، حافظ ابو بکر جرجانی، ابو بکر بن فورک وغیرہ کے نام شامل ہیں، ان ہی لوگوں کے اقتدار کی وجہ سے امام اشعری کی تصانیف دنیا میں عام ہو گئیں۔

امام اشعری کے زمانے تک علم الکلام میں فلسفہ کی آمیزش نہ تھی۔اس زمانے تک محدثین اور فقہاء میں منطق وفلسفہ کا رواج نہ تھا، اس وجہ سے یہ علم الکلام جو بھی تھا صرف اسلامی فرقوں کے رد کے بارے میں تھا اور اگر غیر مذہب والوں کے رد میں بھی لکھا جاتا تو استدلال میں اسلامی روایات اور سند ہی پیش کی جاتیں تھیں۔بہر حال یہ امام ابوالحسن اشعری کے علم الکلام کا مجموعہ تھا اور وہ اس کے بانی قرار دیئے جاتے ہیں۔

امام اشعری کے مخصوص عقائد ہیں جن کو انہوں نے اعتزال اور سنت میں حدِ فاصل قرار دیا ہے اس لئے یہ اہم ہیں کہ ان سے علم الکلام کی نئی تاریخ شروع ہوتی ہے۔امام اشعری سے پہلے دو فریق تھے ارباب نقل وعقل، امام اشعری نے درمیان کا طریقہ اختیار کرنا چاہا اور اس لئے ایسے عقیدے اختیار کئے جو ان کی دانست میں عقل ونقل دونوں سے ربط رکھتے ہوں۔یہ دور اشعری علم الکلام کا پہلا دور تھا جبکہ دوسرا دور امام الغزالی سے شروع ہوتا ہے۔(۱۸)

امام الغزالی کی بدولت فلسفہ کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور مذہب وفلسفہ کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونے لگی۔اس طرزِ تعلیم نے امام رازی، عبدالکریم شہرستانی جیسے لوگ پیدا کئے جو معقول ومنقول دونوں بزم کے امام ٹھہرے۔امام الغزالی نے ابتداء میں امام اشعری کے طریقہ کی حمایت کی لیکن بعد میں بالآخر ان کی رائے یہ ہو گئی کہ اشعری طریقہ جمہور کیلئے اچھا ہے لیکن وہ اصل حقیقت پر مشتمل نہیں ہے۔مگر عام طور پر امام صاحب کا شمار اشاعرہ میں ہی کیا جاتا ہے۔اس دور کا واضح فرق یہ رہا کہ کلام میں فلسفہ بھی شامل ہو گیا۔

امام الغزالی کے علاوہ سب سے نمایاں نام علم الکلام کے حوالے سے امام رازی کا نظر آتا ہے۔جو اشاعرہ کے اہم امام ہیں۔امام رازی کا نام محمد بن عمر ہے آپ ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ کا وطن رے ہے۔آپ نے تحصیل علم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروغ علم کیلئے کئی سفر کئے۔آپ نے عمر کا بڑا حصہ ہرات میں گزارا اور ۲۰۶ھ میں ہرات میں ہی وفات پائی۔علمِ الکلام کے متعلق ان کا سب سے بڑا کارنامہ فلسفہ کارد ہے۔امام صاحب نے علمِ الکلام کی بنیاد اشاعرہ کے عقائد پر رکھی، اور ان کے عقائد پر تاویلیں کیں اور ہزاروں دلیلیں قائم کیں۔

علمِ الکلام کے متعلق جو سب سے بڑا کارنامہ امام رازی نے سرانجام دیا وہ قرآن کی تفسیر ہے۔امام صاحب سے پہلے جتنی تفسیریں لکھی گئی تھیں ان میں عقلی مذاق کا عمل دخل نہ نظر آتا تھا۔امام صاحب نے اس تفسیر میں عقائد کے اور بہت سے مسائل کو عقلی اصول کے مطابق حل کیا۔

اشعری علمِ الکلام جس زوروشور سے ترقی کررہا تھا اس سے امید تھی کہ اس کے ابتدائی نقص ٹھیک ہوجائیں گے اور وہ عروج کو پہنچے گا مگر بغداد کے سقوط سے علمی ترقی رک گئی، پھر بھی اس کی اشاعت میں فرق نہ آیا اور رفتہ رفتہ یہ تمام عالمِ اسلام پر چھا گیا۔اس کی ایک بڑی وجہ مقریزی نے 'تاریخ مصر' میں یہ لکھی ہے کہ جب سلطان صلاح الدین ایوبی حکمران ہوا تو وہ اور اس کا قاضی عبدالملک، اشعری مذہب پر تھے اسی کا اثر رہا کہ اس خاندان نے اشعری مذہب کی ترویج کا کام کیا۔(۱۹)

اشعری علمِ الکلام کا بڑا حصہ فلسفہء یونان کارد ہے اس میں شک نہیں کہ فلسفہ کے جو مسائل اسلام کے خلاف ہیں ان کا رد علمِ الکلام کی جان رہا ہے لیکن غلطی یہ رہی کہ جن مسائل کو متکلمین فلسفہء یونان کے مسائل سمجھے درحقیقت وہ ان کے مسائل نہ تھے اور جو مسائل ان کے تھے وہ بلحاظ غلبہ اسلام کے مخالف نہ تھے۔

علمِ الکلام کا تیسرا دور

جب اندلس میں امام الغزالی کے شاگردوں کو تخت و تاج ملا تو سلطنت کا مذہب اشعری ہوگیا، اسوقت تک اشاعرہ تمام عالم اسلام پر چھا چکے تھے۔اس تعلق سے اندلس میں منطق اور فلسفہ کو بھی رواج ہوا اور ابھی آدھی صدی بھی نہ گزری تھی کہ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفہ پیدا ہوئے جن میں ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رُشد جیسے عالم شامل تھے۔ان میں ابن رُشد نے علمِ الکلام پر بھی توجہ دی۔

ابن رُشد کا پورا نام ابوالولید محمد بن احمد بن رُشد ہے، وہ قرطبہ کے علمی گھرانے میں ۵۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ان کے دادا اندلس کے قاضی القضاۃ رہ چکے تھے، آگے چل کر ابن رُشد بھی قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے۔حاکم کے حکم پر ابن رشد نے ابن طفیل کے مشورے سے تصانیف ارسطو کی مفصل شرح لکھی، کچھ عرصے بعد ابن رشد کو اشبیلیہ کا قاضی مقرر کردیا گیا۔ابن رشد نے اپنے ہم عصروں کے برخلاف مذہبی خیالات میں آزادی سے کام لیا اور امام الغزالی نے فلسفہ کے رد میں جو کتاب لکھی تھی اس کا رد لکھا، اس کے علاوہ اشاعرہ پر سخت حملے کئے لہٰذا رائے عامہ ان کے خلاف ہوگئی۔جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے ضعیفی کے باوجود ابن رشد کو نظر بند رہنا پڑا اور اس ہی حالت میں انھوں نے ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

ابن رشد فلسفہ کے دلدادہ تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ فلسفہ اور شریعت ایک ہی عمارت کے دو ستون ہیں اس لئے نہ وہ مذہبی ضعف گوارا کرتے اور نہ فلسفہ و منطق کو ہی غلط سمجھتے تھے اسی وجہ سے اس کو معقول اور منقول کی تطبیق دینے کی ضرورت پیش آئی۔

علمِ الکلام میں عام طریقہ یہ تھا کہ مسائل عقائد پر جو اصلی استدلال پیش کرتے تھے وہ اپنی ایجاد ہوتے تھے، بخلاف اس کے علامہ موصوف نے ان مسائل پر جو دلیل قائم کیں سب قرآن سے اخذ کیں۔ اشاعرہ کی مذہبی حکومت اگرچہ تمام عالم اسلام پر چھا گئی تھی لیکن حنابلہ ان کے مخالف رہے، حنابلہ نہایت فرق رکھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اشاعرہ کا زور بہت بڑھ گیا تھا اور معتزلہ بالکل دب کے رہ گئے تھے۔ محدثین ایک مدت تک اشاعرہ سے بالکل الگ رہے لیکن آخر کار ان کے ساتھ شامل ہوئے یا کم از کم ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے، البتہ حنابلہ اپنی مخالفت جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی میں امام ابن تیمیہ پیدا ہوئے جو بڑے محدث اور اتنے ہی بڑے منطقی بھی تھے۔ (۲۰)

ابنِ تیمیہ

ابن تیمیہ نے علمِ الکلام میں کمال حاصل کیا اور علمِ الکلام کے جتنے طریقے رائج تھے سب پر محققانہ نظر ڈالی، اشاعرہ کے علم الکلام کو دیکھا تو ان مسائل پر بھی نظر پڑی جن پر اب تک کسی نے نہ توجہ دی تھی، لہٰذا آپ نے نہایت آزادی سے ان تمام مسائل پر دلائل قائم کیے۔

آپ کا نام احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی ہے۔ آپ حران جو شام کا ایک شہر ہے اس میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ کی طبیعت میں آزادی اور اعتدال سے زیادہ سختی تھی اس لئے علماء کا ایک گروہ ان کا مخالف ہوگیا، لہٰذا آپ کو بھی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ جب تاتاریوں نے بلاد شام کا رخ کیا تو آپ نے لوگوں کی واعظ اور مجاہد کی حیثیت سے رہنمائی کی، لیکن چونکہ بعض مسائل میں رائے عامہ ان کی مخالف ہوگئی علماء بھی ناراض ہوئے لہٰذا آپ بار بار قید کئے گئے، مگر جب آخری بار بند کئے گئے تو ان کے تصنیف کے راستہ روک دیئے گئے تو آپ بیمار ہوگئے اور ۷۲۰ھ میں انتقال کر گئے۔

آپ نے علمِ الکلام میں نہایت کثرت سے کتابیں لکھیں۔ جن میں علم الکلام جو ایک مدت سے ایک حالت میں چلا آرہا تھا، جس کے کئی غلط مسائل، اصول موضوع کے طور پر اس قدر مضبوط ہوگئے تھے کہ ان پر اعتراض کی کسی کو جرات نہ تھی مگر آپ نے نہایت آزادی اور بہادری سے ان مسائل کی مخالفت کی اور ثابت کیا کہ متکلمین جس چیز کو مذہب کی تائید سمجھتے ہیں وہ درحقیقت مذہب کو اور نقصان پہنچا رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ کو ایک مدت قید خانے میں بسر کرنا پڑی تھی اوران کا اثر دب کررہ گیا تھا جس کو ان کے شاگردوں جن میں ابن القیم کا نام نمایاں ہے دوبارہ اُبھارا گو کہ علم الکلام کے حوالہ سے شاگردوں کا کام زیادہ اہم نہ رہا مگر جو بدعات کی بنیادیں قائم ہوگئی تھیں وہ ان کو اپنے قلم کی طاقت سے متزلزل کرنے میں کامیاب رہے۔(۲۱)

غرض یہ کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے گو ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا اوران کے تمام مسائل اخذ کئے لیکن یہ شاگرد وطبیعات وریاضیات وغیرہ تک محدود تھی الٰہیات۔ یونانیوں کے ہاں خود ناقص اور غیر مکمل تھی تو مسلمان اس سے کیا اخذ کرتے۔ یونانیوں کی الٰہیات کو علمائے کلام نے ہمیشہ حقارت سے دیکھا۔

علامہ ابن تیمیہ، حالانکہ متکلمین کے معتقد نہ تھے پھر بھی وہ 'الرد علی المنطق' میں لکھتے ہیں کہ:

'ارسطو اور متکلمیں دونوں کا کلام ہمارے سامنے ہے متکلمین کا کلام ارسطو وغیرہ کی نسبت کہیں بڑھ کر یقینی مقدمات پر مبنی ہوتا ہے'(علم الکلام اور کلام ص ۱۱۷۔۱۱۶)

غرضیکہ اس علم کی بنیادیں اٹھانے کے بعد مسلمان مفکرین وفلاسفہ اس علم کو مہارت کی بلندیوں پر لے گئے۔

مسلمانوں میں فلسفیانہ رُجحانات کی ابتداء۔ جائزہ

حوالہ جات

۱۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، کراچی، شاہکار بک فاؤنڈیشن ۱۹۸۴ء، ص: ۱۱۷۴

۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، کراچی، شاہکار بک فاؤنڈیشن ۱۹۸۴ء، ص: ۱۱۷۵

۳۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، کراچی، شاہکار بک فاؤنڈیشن ۱۹۸۴ء، ص، ۱۱۷۵

How greek science passed to the ، De Lacy o' leary
pg:136،Goodword Books New Dehli 2001،Arabs

Goodword Books ،How greek science passed to the Arabs ،De Lacy o' leary۔۵
pg: 140،N.Dehli 2001

pg: 142 ,As Above ،As Above ،De Lacy o' leary ۔۶

pg: 149-150, As Above ، As Above ،Lacy o' leary ۔۷

pg:152, As Above ʻAs Above ,De Lacy o' leary ۔۸

pg: 169-170 , As Above As Above, De Lacy o' leary ۔۹

pg:144 ,As Above ،As Above De Lacy o' leary ۔۱۰

London luzac& co ltd 46 Great Russell st 1961,The History of , Dr T J De Boer۔۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

pg:03 philosophy in islam

۱۲۔شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اور الکلام، کراچی، نفیس اکیڈمی اردو بازار نومبر ۱۹۷۹ء، ص ۲۰۔۱۹

۱۳۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۲۶۔ ۲۰

۱۴۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۲۸۔۲۷

۱۵۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۲۹۔۲۸

۱۶۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۳۵

۱۷۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۳۶

۱۸۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۵۸۔۵۷

۱۹۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۷۱

۲۰۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۸۲۔۸۰

۲۱۔شبلی نعمانی، علامہ، ایضاً، ایضاً ص ۷۶۔۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتویٰ بحیثیت غیر ریاستی نظامِ قانون

ڈاکٹر امام الدین الحامدی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ

یونیورسٹی آف بلوچستان کوئٹہ

موضوع کا تعارف واہمیت:

فقہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے۔ یہ ایک طرف قرآن وعلومِ قرآن، حدیث ومتعلقاتِ حدیث، اقوالِ صحابہ، اجتہادات فقہاء، جزئیات وفروع، مرجوح وغیر مرجوح، اورامت کی واقعی ضروریات کے ادراک کے ساتھ زمانے کے بدلتے حالات کے تناظر میں دین متین کی روح کوملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کا نام ہے، دوسری طرف فقہ ایک ایسا علم ہے جوطہارت ونظافت سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اوران تمام امورکواپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، جس کا تعلق حلال وحرام اوراباحت وحرمت سے ہے۔

فتاویٰ کا میدان فقہ سے زیادہ وسیع ہے، اس لئے کہ فتاویٰ میں ایمانیات وعقائد، فرق وملل، تاریخ وسیرت، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، عبادات ومعاملات، معاشرت وسیاست کے ساتھ قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح وتطبیق وغیرہ جیسے امور بھی شامل ہوتے ہیں۔

فتویٰ کیا ہے؟

فتویٰ کے لغوی معنٰی ہیں: کسی سوال کا جواب دینا، سوال خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی۔ لیکن بعد میں فتویٰ شرعی حکم معلوم کرنے کے معنٰی میں خاص ہوگیا۔ قرآن وحدیث میں فتویٰ، افتاء، استفتاء کے الفاظ متعدد مواقع پر وارد ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ یوسف کی آیت نمبر ۴۳ میں یأیّها الملؤ افتونی فی رأیای ان کنتم للرؤیا تعبرون (۱) اورسورہ نمل کی آیت نمبر ۳۲ قالت یأیّها الملوافتونی فی امری (۲) میں یہ الفاظ مطلق جواب حاصل کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں، جب کہ سورہ نساء آیت نمبر ۱۷۶ یستفتونك، قل الله یفتیکم فی الکلالة (۳) میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے اس کا استعمال ہوا ہے۔ مسندِ احمد کی حدیث: ألاثم ماحاك فی صدرك وان افتاك الناس عنه (۴) اوردارمی کی حدیث: أجرؤکم علی الفتیا أجرؤکم علی

© rasailojaraid.com